سلمیٰ الخضراء الجیوسی

فلسطینی مزاحمتی شاعری کی توانا آواز

عبدالحق حقانی القاسمی، علی گڑھ

قسط ۱

★★★★

فلسطین کے شہروں میں "صفد" کو ایک تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ یہ تیرہویں صدی عیسوی سے قبل ایک غیر معروف علاقہ تھا۔ چھٹی صدی ہجری کے وسط میں صلیبی جنگجوؤں نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کیا تھا نورالدین محمود بن زنگی (م ۵۶۹ھ) کی فوجوں نے جب بالڈون کو شکست دی تو اس نے اسی قلعے میں آکر پناہ لی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے شام و فلسطین کی دیگر ریاستوں کی طرح ۵۸۴ھ میں "صفد" کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا اس علاقہ کو نویں صدی ہجری میں عثمان ترکوں نے ترک مملوکوں سے چھین کر اپنے زیر نگیں کر لیا۔ یہاں سے ممتاز افاضل اور یگانہ روزگار علماء پیدا ہوئے، جن میں ابو سعید عبدالرحمٰن بن احمد بن یونس الصفدی (م ۳۴۷ھ) فخر الدین عثمان بن ابراہیم الشافعی الصفدی (م ۷۴۲ھ) مصنف "تاریخ القوم و بلادہ" اور صلاح الدین خلیل بن الامیر عز الدین ایبک بن عبداللہ الصفدی (م ۷۶۴ھ) مصنف "الوافی بالوفیات" "اعیان العصر و اعوان النصر" قابل ذکر ہیں۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: مختار الدین احمد، "صلاح الدین الصفدی" جرنل آف دی پنجاب یونیورسٹی ہسٹاریکل سوسائٹی، لاہور، جنوری، دسمبر ۱۹۶۴، ص ۱-۳۳

اسی سلسلہ میں سلمٰی الخضراء الجیوسی بھی پیدا ہوئیں [1] یہ مشہور عرب قوم پرست صبحی الخضراء کی صاحبزادی ہیں۔ جنھوں نے برطانوی انتداب کے دوران قومی جدوجہد میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ سلمٰی نے ابتدائی تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ پھر بیروت میں ادبیات کی مکمل تعلیم حاصل کی اور شاعرانہ زندگی کا آغاز بھی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے لندن گئیں۔ جہاں اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز میں "Trends and movements in contemporary Arabic Poetry" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی [2] ان دونوں تدریسی پیشے سے وابستہ ہیں۔ ان کی صاحبزادی لیناب رہان الجیوسی بھی عربی میں شعر کہتی ہیں۔ لینا نے ۷ سال کی عمر میں "نداء" کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو عربی کے اعلیٰ معیار رسالے "الآداب" میں شائع ہوئی۔ یہ فرانسیسی کمسن شاعرہ "مینو دروبہ" کی یاد تازہ کرتی ہیں جس نے فرانس کے ادبی حلقے میں کمسنی میں کافی شہرت حاصل کرلی تھی۔ ڈاکٹر سہیل ادریس نے لینا کی نظم اس تاثر کے ساتھ شائع کی کہ "یہ نازک احساس پر مبنی ہے اور نئی عربی ذہانت کی ایک مثال" اس نظم کے چند شعر یوں ہیں:

ھامنہ: ھامنہ این انت ؟

قلبی یبکی علیک

والھواء والنسیم یرکض لیفتش علیک

ھامنہ این انت ؟

قولی لی این انت یا ھامنہ؟ [3]   (نداء)

(۲) سلمٰی الخضراء بنیادی طور پر ایک ناقد ہیں۔ ان کے تنقیدی مقالات عربی کے بیشتر معتبر

---

[1] مطاع صفدی، "الشعر الانثوی و دیوان العودۃ من النبع الحالم" مجلہ "الآداب" بیروت (فبرایر ۱۹۶۰) ص ۱۳-۱۶

[2] مصطفیٰ بدوی، مختارات من الشعر العربی الحدیث (بیروت: دار النہار، ۱۹۶۹)

[3] لینا برہان الجیوسی، "نداء" مجلہ "الآداب" بیروت (ستمبر ۱۹۵۶)

ادبی رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ مختلف کتابوں کے ترجمے اور ادبی انتخابات بھی انہوں نے تیار کئے ہیں۔ ان کی اہم ترین تنقیدی کتاب Trends and movements in modern Arabic Poetry ہے جس کے بارے میں ممتاز عربی شاعر و نقاد عیسیٰ بلاطہ (Issa Boullatta) کا خیال ہے کہ "یہ عربی شاعری کے تجزیاتی و تاریخی مطالعات کی ایک بہترین کتاب ہے۔ اس کا بنیادی مقصد بیسویں صدی کے وسط کے عربی شاعری کی معاصر تحریکات اور رجحانات و رویے کی تفہیم ہے۔ سلمی الخضراء عرب و دنیا کے معاصر ادبی منظرنامے پر ایک اہم شاعرہ اور نقاد کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ انہوں نے عربی شاعری کے مرکزی دھارے پر اپنی توجہ مرتکز کی ہے اور موجودہ معاصر شاعری کا گہرا مطالعہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے ماضی کے مستقل اقدار اور موجودہ ادبی صورت حال پر اس کے گہرے اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ وہ اس بات سے آگاہ ہیں کہ ادب خلا میں زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ اس کا سماج سے گہرا اور اٹوٹ رشتہ ہے۔ اس لئے سلمی نے ادب پر خارجی اثرات کے متعلق بھی روشنی ڈالی ہے۔ ادبی زندگی کی داخلی ضروریات کو مقام اوّل دیتے ہوئے ان خارجی عوامل کا تذکرہ کیا ہے جو بنیادی طور پر ثقافت سے متعلق ہیں۔ جیسے مغربی اثر، کلاسیکی ادبی روایت کی نفوذ پذیری، (pervasiuness) اور شاعروں کا انفرادی پس منظر۔ یہ ادب میں عمرانی نظریات کی مخالف نہیں ہیں مگر کسی کی محرک و مجوز بھی نہیں ہیں ان کے خیال میں ادبی تخلیقیت (creativity) ایک انفرادی معاملہ ہے۔ چنانچہ ۴۸ ۱۹ء میں فلسطینی المیے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے وہ اس کے سیاسی، سماجی، معاشی، فوجی اور قانونی پہلوؤں کے بارے میں بحث نہیں کرتی ہیں۔ بلکہ دکھ، ناراضگی، شرم، ناامیدی، نفرت، خفگی اور وحشت کو بیان کرتی ہیں جس نے عرب دانشوروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور اسی چیز نے انکی انقلابی روح کو قوت بخشی جو ادب و شاعری میں زور پکڑ رہی ہے۔ اور روایتی عرب ثقافت بشمول قدیم شعری ہیئت کو مکمل طور سے مسترد کرنے میں مدد دے رہی ہے۔

اب عرب زندگی کا روایتی طریقہ کار اور اس کے پرانے اقدار و تصورات دیوالیہ پن کا شکار ہیں۔ اور نیا نظام تشکیل پا رہا ہے۔ تشویش، تشخص کی تلاش، نقصان، بغاوت اور

انقلاب اور نئی زندگی کا تصور ۱۹۴۸ء کی عربی شاعری میں نمو پذیر ہونے لگا ہے۔ سلمیٰ نے اس کتاب میں عربوں کے نظریہ تنقید و ادب کا بہت ہی جامع مطالعہ کیا ہے اور مکمل وسعت علمی و انفرادی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ ۱؎

متذکرہ بالا کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد باقر علوان نے سلمیٰ کی تنقیدی خدمات کا یوں اعتراف کیا ہے!

"ان کی کتاب کا پہلا حصہ ۱۹ ویں صدی کے اوائل سے ۱۹۳۰ تک پوری عرب دنیا میں ہونے والی ثقافتی، شعری، عقلی اور علمی ارتقاء کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ سلمیٰ کا تجزیاتی انداز ممتاز اور اہم شعراء اور شعری تجربات میں ان کے حصے اور بعد کی نسل پر ان کے اثرات پر بہت عمدگی کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے۔

دوسرے حصے میں اولین شعری ہیئتی تجربات کے ساتھ رومانوی واپولو تحریک سے لے کر ۱۹۴۸ء تک کا جائزہ لیا گیا ہے، جو کہ شعری ہیئت، تکنیک، اور موضوع میں تبدیلی کا ایک بنیادی سوال ہے۔ یہ حصہ نئی شاعری کے ارتقاء اور ابتداء کا خوبصورت اور بہتر تجزیہ ہے۔" ۲؎

سلمیٰ نے عربی شاعری کا ایک انتخاب (Anthology) اور مختصر کہانیوں کا ایک مجموعہ بھی ترتیب دیا ہے۔ اور ناولوں کا انگریزی ترجمہ کیا ۳؎

۱؎ Issa J. Boullata "Review On Trends And Movements In Modern Arabic Poetry". The Muslim World London.

۲؎ M. Bakir Alwan "Review On Trends And Movements" Middle East Journal (WASHINGTON) Winter 1980

۳؎ عربی شاعری کا انتخاب : Modern Arab Poetry کے عنوان سے نیویارک ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ کہانیوں کا مجموعہ [illegible] Litterature of Modern Arabia سے۔ انہوں نے امیل حبیبی کے ایک ناول کا ترجمہ T. Gassick کے اشتراک سے The Secret Life (مطبوعہ نیویارک ۱۹۸۲) کے نام سے کیا ہے۔ یوسف القاعد کے ایک ناول کا ترجمہ War In The Land بھی انہوں نے کیا ہے۔

اور ان کا مجموعہ دیوان "العودۃ من النبع الحالم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔[1]

(۳) معاصر عرب نسائی بوطیقا کے منظر نامے پر جو چند اہم شخصیتیں ابھر کر آئی ہیں ان میں فدوی طوقان، نازک الملائکہ، عزیزہ ہارون کے ساتھ سلمیٰ الخضرا الجیوسی بھی ہیں جن میں سے ہر ایک کا نسائی شعری تجربے میں گراں قدر حصہ ہے۔ عرب میں آزادیٔ نسواں کی تحریک سے متاثر ہونے والی ان خواتین شاعرات و ادیبات کے باغی گروہ سے یہ بھی متعلق ہیں۔ جنہوں نے روایتی سماجی نظام کے حصار کو توڑ کر مردانہ بالادستی والے معاشرے کو چیلنج دیا اور معاصر سماجی و سیاسی حالات سے باخبر ایک جدید اور پڑھی لکھی عورت کو معاشرے میں پیش کیا۔ عربی شاعری کے "معشوقاؤں" کی بغاوت اور مردانہ روایت سے انحراف نے عربی شعر و ادب میں ایک خوشگوار باب کا اضافہ کیا ہے اور اس طبقہ نسواں کے داخلی باغیانہ جذبات و احساسات سے شاعری کو روشناس کیا، جن کے وجود سے کائنات میں رنگ ہے معاصر خواتین شاعرات نے عربی ادب کی نئی تشکیل و ارتقاء میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا ہے۔ بلکہ بعض خواتین شاعرات کا مقام و حصہ تو شاعروں و ادیبوں سے بھی بلند ہے

سلمیٰ کے دیوان کے نصف حصہ میں نسوانی رویے اور احساسات پر مبنی شعر ملتے ہیں۔ اور ان میں انقلابی معروضیت کا احساس ہوتا ہے۔ وہ مردانہ تفوق والے معاشرے کو عورتوں کی آزادی کے لئے ایک چیلنج قرار دیتی ہیں۔ اس لئے اس سماجی جبر کے خلاف اپنے شعروں میں آواز بلند کرتی ہیں، ان کے یہاں استحصال نسواں اور حقوق سے محرومی کا مسئلہ ایک سوالیہ نشان بن کر ابھرتا ہے اور وہ باغیانہ آزادانہ شعور کی لے میں یہ شعر کہتی ہیں جو تمام عورتوں کے احساسات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اوحید فی عینیک نار تضرم　　ینوی و یطلب، یستنیل و یستجیب و یحکم

اما یا عینا فان الوحید لتزمبهم　　و بحیرۃ النفس العمیقۃ موطنۃ[2]

---

[1] ان کا عربی دیوان بیروت سے شائع ہوا ہے۔ مگر مجھے نہ ملنے کی وجہ سے عربی مجلات میں شائع شدہ قصائد اور نظموں سے استفادہ کرنا پڑا ہے۔

[2] ناصر الدین الاسد، الشعر الحدیث فی فلسطین والاردن (القاہرہ [illegible]) ص [illegible]۔

تنہائی، اداسی، وحشت اور خاموشی آج کی شاعری کا مقدر ہے۔ خصوصاً یہ چیزیں صنف نازک کے ساتھ ہوں تو ان کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔ سلمٰی کے احساس تنہائی (Lonesomeness) کی مثال یہ اشعار ہیں:

ولانت وحدك، انت وحدك، دون غاب الابادة
والوحشة الصماء تغرق ليلك المسر الطويل
دنياك مظلمة ومعتوم عليك دروبها
فانسى طموح فى افق على دنيا قريبة
قلبى! ... عيوملك قصة عمقة ولم يستبك
متلهفا ترجو الحياة؟ ... فلا بعثت اليوم حيا[1]

(۴) فدوی طوقان کے مقابلے میں سلمٰی نے ہئیت اور مضمون دونوں ہی اعتبار سے زیادہ عمدہ سیاسی شعر کہے ہیں اور وہ سیاسی شعر کے مفہوم کو فدوی سے زیادہ بہتر انداز میں سمجھتی ہیں، اس کے باوصف کہ اس میں کبھی کبھی خطابت کا رنگ و آہنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ سلمٰی کے چار قصیدے فداء، الصامدون، مرثیۃ الشہداء اور النار المحرقۃ خاص طور پر قومی و سیاسی مسائل سے متعلق ہیں۔

سلمٰی کا عرب فدائین کے لئے لکھا ہوا قصیدہ "فداء"[2] ان کی جدوجہد اور قوم پرستی کی راہ میں اپنی جان کی قربانی سے متعلق ہے۔ شاعرہ نے اس میں براہ راست "جاں بازوں" کے متعلق بحث نہیں کی ہے بلکہ قربانی کے اس جذبے اور روح کے بارے میں کی ہے جو ہر جانباز میں کارفرما ہے، اور یہی جذبہ انہیں سقوط و شکست کے بعد بھی تازہ دم اور بیدار کرتا ہے اور اس طرح جدوجہد کی یہ تحریک جاری رہتی ہے۔ اس قصیدے کے ان اشعار!

تباركت الارض، ارض الجدود، وارض السنابل والاقحوان
وارض الاغال، وارض الزرايا، وارض السبالة والعنفوان

---

[1] ناصر الدین الاسد، الشعر الحدیث فی فلسطین والاردن (القاہرہ - ۱۹۶۱) ص ۲۵۴۔

[2] دیکھئے، حسین فہمار، عزالدین اسماعیل، الادب والنصوص" (مصر، ۱۹۶۸) ص ۱۷۱، ۷۷۔

من الارض هذا الحليم الحوشي ... قصر الكفاح العربي

من الامير الغضب ردى ثرا ٢ عطاء السلام الحسرى

("فداء")

میں شاعرہ نے جانبازوں کی زبانی سرزمین وطن کی خیر و برکت بیان کرتے ہوئے اس پر مسلسل ظلم و جبر ہونے کی وجہ سے ان میں جو کیفیت شجاعت، استقامت، اور سخت جدوجہد کی پیدا ہوتی ہے اسے بیان کیا۔ اور اپنے پیشرو خود دار عربوں کی راہ پر چل کر آرزو، جدوجہد، قربانی اور سرخ آزادی کا راستہ اپنایا ہے۔ اس قصیدے کے بقیہ اشعار یوں ہیں۔

- وحين يجن الغروب
- وتغفوا عاصير روحى كما تنفس الريح بعد الهبوب
- كما تحمد النار بعد الشبوب
- سيحتل تلك الذرا
- ويغزو القرى
- فداء جديد
- اخ من رفاق الكفاح العنيد

اس میں شاعرہ جدوجہد کے طویل سفر کی داستان ایک فدائی کی زبانی یوں بیان کرتی ہیں کہ جس طرح مجھے اپنا خاتمہ معلوم ہے اسی طرح اس راستے کی انتہاء کی بھی خبر ہے۔ جب میرا سفر ایک منزل تک پہونچکر ختم ہو جائے گا اور میرے دل میں بھڑکنے والا شعلہ جوالہ بجھ جائے گا تو میرے دوستوں میں سے جدوجہد کی راہ پر گامزن ایک فدائی میری جگہ لے گا۔ اور نئے سرے سے سفر کا آغاز کرے گا۔ اور اس طویل و پرمشقت راستے میں غایت مقصود کی طرف اپنے قدم بڑھاتے ہوئے موت کا بھی بہادری کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوم لے گا، یہ سلسلہ چلتا رہے گا، اور جانباز قوم پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ عرب جانبازوں کا خون رائیگاں نہیں ہو رہا ہے، بلکہ وہ روشنی

کی کرن میں تبدیل ہو کر تاریک دل کو روشن کر رہا ہے، اور منزل مقصود کی طرف بڑھتے قدم کی رہنمائی کر رہا ہے ان کے خون سے آزادی کے بند راستے کھلیں گے، راستے کی مشکلات اور رکاوٹیں دور ہوں گی۔ اس کیفیت کا اظہار ان شعروں میں ہے:

و بین یدیہ هدیة الرحیل

و یسدل جفن الظلام الکثیف

و یلتفت ثوب الفداء المصری علی الساعدین

اس قصیدے کے اجزا معنوی اعتبار سے باہم مربوط ہیں۔ اس کے باوصف کہ "فدا" ایک بہادری کا موضوع ہے، جو گرمی اور شدت اظہار کا مقتضی ہے۔ مگر شاعرہ نے بہت ہی نرم انداز اور سنجیدہ انداز دے میں اسے بیان کیا ہے، کیونکہ حقیقی جانباز بنیادی طور پر سخت مزاج نہیں ہوتا۔ عمومی زندگی میں وہ نرم دل انسان ہوتا ہے [1]

اس قصیدے کے بارے میں ممتاز مبصر و ناقد محمد کاظم جواد کا خیال ہے کہ "اس میں پرسکون شعری نغمہ ہے جبکہ موضوع کے تقاضے کے مطابق اس میں گرمی، شدت، اور زور ہونا چاہیے تھا۔ اس میں گو کہ بسا اوقات شعری آواز کے فقدان کا احساس ہوتا ہے مگر کچھ ہی دیر تامل کے بعد قصیدے میں ایک عرب فدائی کی آواز سنائی پڑتی ہے۔ سلمیٰ کے اس قصیدے میں دیگر جدید قصائد کی طرح بعض ابیات میں نظم کی روح عام ہو گئی ہے اس طور پر وہ عام شعری فضا کے سیاق سے دور ہو گیا ہے جیسے شاعرہ کا یہ شعر ہے:

ذئاب تعربد فی ارضنا وارسوا علی الشاطئ الافرس

دونوں مصرعوں کے درمیان کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اور نہ ہی معنوی اعتبار سے شاعرہ کا مقصد پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود قصیدہ خوب صورت منظر اور تصویر سے بھرپور ہے [2]

---

[1] حسین نصار و عز الدین اسماعیل، الادب والنصوص (مصر ۱۹۷۸) ص ۶۵

[2] محمد کاظم جواد، "نقد القصائد" مجلة الآداب۔ بیروت (یونیو ۱۹۵۶)

اسی طرح کے سیاسی نوع کا ایک اور قصیدہ "مرثیۃ الشہداء" بھی ہے جس کے چند ابیات یوں ہیں:

هكذا ماتوا، ويمضي غيرهم نحو المصير

قد زمجرت مرة رويا لا، يا جبل العطار

رمشة محمومة تجتاح قلبي وتثير

رمعة الحزن بعيني ومعه الكبرياء

مندرجہ بالا ابیات جذباتی شدت اور بہاؤ لئے ہوئے ہیں۔ یہی کیفیت پورے دیوان پر محیط ہے۔ یہ "جبل العطار" کے المیے کی دردناک کہانی ہے۔ یہی وہ نسل ہے جو نہ اپنی خواہشات کو مکمل کر سکی اور نہ ہی آرزوؤں کو۔ اور بغیر کسی مستقبل کے اس دنیا سے گذر گئی۔ یہ جانبازوں کے لئے ایک پرزور مرثیہ ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی جنہوں نے اپنے وطن کی خاطر اپنی جان تک دیدی۔ یہ صرف برسرپیکار نسل کا رزمیہ نہیں ہے بلکہ خوابوں کے زوال اور خوابیدہ چشمے سے تشنہ مراجعت کی ایک کہانی بھی ہے [1] عرب ادب نیا دور طرح کے غموں سے دوچار ہے، موت اور ہزیمت، معرکہ کا میدان لاشوں سے بھرا پڑا ہے، جن کا ان شہیدوں سے ایک طرح کا رشتہ ہے یا قربت نصیب ہے وہ موت کی خاموشی میں بہادروں کی یادوں اور کامیابی کے جذبات واحساسات کو محسوس کرتا ہے۔ اور جلد ہی اسکی انتقام، انقلاب کی چیخ و پکار کے ساتھ غم زدہ آواز بھی مل جاتی ہے۔

اسی قصیدے کے یہ چند ابیات:

انا ادری انهم ماتوا "ليحيا الوطن"

وطن القتلى، وحقل الدم هذا الوطن

انا ادری انها "الحرية الحمراء" من الثمن

---

[1] تفصیل کے لئے، محی الدین صبحی: "الابطال المهزومون" الآداب بیروت (جنوری ۱۹۷۰ء)

[2] محی الدین صبحی: "الابطال المهزومون" الآداب بیروت (جنوری ۱۹۷۰ء)

الراكد، المنحوس بالاعات، هذا الشمس
الثادري! انما الحزين باعماق اولاد ليس يدري
انا ابكي كل حين فقدت ضوء الحيا ة
كل روح سلام بين الشفا ة !

یونان کے اسپارٹا کی اس روایت کی یاد دلاتے ہیں، جس میں وہاں کے باشندے دیوتاؤں کو اپنے بچوں کا خون بھینٹ چڑھاتے تھے جس سے قربانی کی ضرورت کا بھی احساس ہوتا ہے اور ساتھ ہی رنج والم بھی۔ انسان ان دونوں احساسات کا مجموعہ ہے یہی حقیقی قربانی ہے جس میں ایک انسان کو اس کا ادراک بھی ہے کہ قربانی کتنی عظیم اور اہمیت کی حامل ہے۔ اور ساتھ میں یہ احساس بھی کہ اس کی وجہ سے اس پر غمگینی اور حزینہ کیفیت بھی طاری ہوگی۔ مگر وہ بلند جذبات کے ساتھ مکمل رضامندی سے قربانی دیتا ہے اور ایک پوری نسل کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھاتا ہے [1]

سلمیٰ نے اس قصیدے میں یہ بات بھی کہی ہے کہ فلسطین میں ہر چیز معمول کے مطابق چل رہی تھی اور زندگی بہت پرسکون تھی مگر اچانک پناہ گزینی کے عذاب سے وہاں کے لوگ دوچار ہوئے تو شاعرہ بھی غمگین اور اداس ہوکر یہ کہہ اٹھیں :

... وفريق يزرع الخيرات فيها، وفريق
يقطف الخيرات والازهار منها والاغاني
كان بعض منهم يحتال في جنى دماها
... يقوى الانسان ... كانوا بشرا كالاخرين"

غسان کنفانی کے بقول یہ ابیات ان مسائل کو پیش کرتے ہیں۔ جن کو جارج آرول (George orwell) نے اپنے ناول ۱۹۸۴ میں پیش کئے ہیں۔ یہ کہکر ہم یہ جانتے ہیں یہ کیسے ہوا؟ لیکن یہ نہیں معلوم کہ کیوں کر ہوا؟ اس کو بہت ہی شدت اور جامعیت کے ساتھ "کانوا بشرا
(باقی صہ پر)

---

[1] غسان کنفانی: "النبع الحالم۔ وحزن الهزيمة" "مجلة الآداب" بيروت (لدنيه ۱۹۶۰)

کالا غرین" کہکر سلمیٰ نے پیش کیا ہے۔ کہ آخر صرف الیسان ہی تک کیوں محدود رہے جو تکلیفیں کیوں برداشت کریں؟ [1]

شاعرہ کو اپنے خوبصورت دن یاد ہیں جب ہر چیز خیر و خوبی کے ساتھ گزرتی تھی امن و سکون تھا۔ وہ بچپن کے یادگار دن تھے۔ جسے وہ کبھی بھلا نہیں سکتیں۔

کم تواددنا صغارا۔۔ وتسابقنا مع النجم القریب
فشدنا فی الذری الخضراء فی العرش الخصیب
(لم یدر لک کم کان خصیب)

مگر اچانک فلسطینیوں کو شکست ہوئی اور بے وطن فلسطینی اپنی سرحد کو پار کرتے ہی "پناہ گزینوں" کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ یہ حادثہ ان کے لئے روح فرسا تھا۔ اس احساس کی تصویر کشی سلمیٰ اس طرح کرتی ہے۔

وسالت البر والبحر علیهم ــــ وشوب الفجر واللیل الحزین
فهدتنی نجمة مطفاة العین الیهم ــــ ولقایا الوسخ المحول من هیانهم
یوم خافوا الموت فی اوطانهم ــــ کی یعیشوا ۔۔۔ لاجئین

سلمیٰ نے فلسطینی پناہ گزینوں کے متعلق ایک انتہائی خوبصورت اور عمدہ نظم "بلا جذور" کے عنوان سے لکھی ہے، جو منفرد و منتشر خاندان کی المیاتی صورت حال کی ایک صحیح مثال ہے۔ یہ نظم اجنبیت و بیگانگی (Alienation) روح فرسا مصیبت اور پناہ گزینوں کی بڑھتی ہوئی خفگی کی تصویر پیش کرتی ہے۔ سلمیٰ نے اس میں بکھراؤ اور انتشار کے کرب کو پیش کیا ہے۔ اور اپنی عرب شناخت کے کھو جانے پر افسوس کا اظہار بھی۔ اس نظم کا مجموعی تاثر انتہائی گہرا ہے کیونکہ اس نے پناہ گزینوں کی بے چینی کی تصویر ان عربوں کی زبانی کھینچی ہے جو بہت ہی مسرور و مطمئن ہیں۔ سلمیٰ نے قومی ضمیر کو ایک زندہ آواز کی حیثیت دی ہے۔ اور مطمئن اور پناہ گزینوں کی قرابت اور خونی رشتے پر وہ زور ڈال کر ان کے ضمیر کو للکار رہی ہے۔

(باقی آئندہ)

---

[1] غسان کنفانی: "النبع الحالم۔ وحزن البرتقال"، مجلة الآداب، بیروت (جون ۱۹۶۰)